تقارب عقائد کے حوالے سے علمائے اہل سنت کی کاوشیں: ایک تحقیقی جائزہ

Efforts of Islamic Scholars regarding Closeness of Muslim Faith: An Exploratory Study

* Tajamal Hussain

**Dr. Muhammad Rizwan Mahmood

Many beliefs in Masalik are common, while the differences are very few and minor. But false powers are promoting extremist thinking based on these minor differences, which is poison for the Muslim Ummah. Convergence of beliefs is very important for the survival of the Muslim Ummah. This unity should not be temporary but it should be a message of intellectual and spiritual, material well-being, spiritual growth and evolution of mental development and the unity should be universal. No matter how many differences there are between the two groups, despite this, there is also a commonality in many matters. For convergence of beliefs, it is necessary to develop these common issues instead of conflicting issues. So that the atmosphere of hatred is reduced and the atmosphere of unity and unity is created. The history of Islam is a witness to the fact that according to Imams, jurists, muhaddith, and commentators, there have been differences in many issues. Even despite this difference, love, goodwill, brotherhood, and unity also remained. Respect for each other is also necessary for intercultural tolerance and harmony. In the paper under study, an introductory review of the written efforts made by the scholars and scholars of Masalik Ahl-e-Sunnah for the convergence of beliefs will be presented which, on one hand, will help in establishing an atmosphere of harmony between people of different faiths and on the other hand will reduce the severity and differences.

Key words: Convergence of beliefs, Unity & solidarity, Interdisciplinary, Shared, Sub-differences, Islamic Scholars, Universal.

تمہید:

عقیدہ اس یقین کا نام ہے جس کی وجہ سے انسان عقل سے سوچ کر، کان سے سن کر اور قانون فطرت کے ذریعے فیصلے کرنے کا ملکہ حاصل کرتا ہے۔ یہ فیصلے اس قدر مکمل اور یقینی ہوتے ہیں جو عقل و نقل کی ہر کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب انسان کسی بات پر

---

* M.Phil Research Scholar, Dept. of Islamic Studies, Riphah International University Faisalabad tajamalchan1@gmail.com

** HOD, Dept. of Islamic Studies, Riphah International University Faisalabad iiuipakistan@gmail.com

اپنا عقیدہ قائم کر لیتا ہے پھر اس بات کو دل و دماغ کے ذریعے بر حق سمجھتا ہے۔ تو پھر اس کو اس عقیدے سے کوئی طاقت نہیں ہٹا سکتی اور نہ ہی دل میں شک و شبہات کی کوئی گنجائش پیدا ہوتی ہے۔

دنیا میں بہت سے ادیان موجود ہیں، ان ادیان میں اگر غور و فکر کیا جائے تو ان کے درمیان وجہ امتیاز اکثر و بیشتر عقیدہ ہی کار فرما ہے۔ یہ عقائد عموماً انسان کے بچپن اور لڑکپن کے زمانے میں ہی اس کے ذہین میں راسخ ہو جاتے ہیں اور پھر ساری زندگی ان مٹ نشانات کی طرح اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

عقائد میں بہت سے اصولوں میں اہل سنت (اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی) کے علماء متفق ہیں۔ جیسے کہ اللہ تعالی کو اس کی ذات و صفات میں ایک ماننا، سارے انبیاء اور رسولوں کو بر حق تسلیم کرنا، تمام کتب سماویہ کو انبیائے کرام پر نازل ہونے اور اس حالت میں ان کے درست و قابل عمل ہونے، فرشتوں کو اللہ تعالی کے خاص بندے ہونے، قیامت کے دن تمام مخلوق کو اللہ تعالی کے سامنے حاضر ہونے اور اپنے اعمال کے مطابق جزا و سزا کا فیصلہ ہونے، تمام اچھی بری چیزوں کا اللہ تعالی کی طرف سے ہونے اور انسان کے مختار و مطلق مجبور محض ہونے کے درمیان، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے آخر میں آنے، کسی بھی نبی کی توہین کے ناجائز ہونے، اللہ تعالی کی نعمتوں سے بھرے گھر جنت کے موجود ہونے اور اللہ تعالی کے جلال کا مظہر جہنم کے موجود ہونے میں مسالک اہل سنت کے درمیان کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ یہ وہ عقائد ہیں جن اہل سنت متفق ہیں۔ تمام مسالک کے علماء نے اس لحاظ کاوشیں کیں اور فروعی اختلافات کو نظر انداز کیا۔

مسالک میں ایسے عقائد کی کثرت ہے جو مشترک ہیں، جب کہ اختلافات بہت ہی کم اور معمولی ہیں عموماً اختلافات فروعی، اجتہادی اور ترجیحی نوعیت کے ہیں۔ مگر باطل طاقتیں ان فروعی اختلافات کو بنیاد بنا کر شدت پسندانہ سوچ کو رائج کر رہی ہیں، جو کہ امت مسلمہ کے لیے زہر قاتل ہے۔

تقارب عقائد امت مسلمہ کی بقاء کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ یہ اتحاد وقتی نہ ہو بلکہ یہ فکری و روحانی، مادی خوش حالی، روحانی بالیدگی اور ذہنی نشو و نما کے ارتقاء کا پیغام ہو اور اتحاد ہمہ گیر ہو۔ دو گروہوں کے درمیان خواہ کتنا ہی اختلاف ہو اس کے باوجود بہت سے معاملات میں اشتراک بھی پایا جاتا ہے تقارب عقائد کے لیے ضروری ہے کہ اختلافی امور کی بجائے ان مشترک امور کو پروان چڑھایا جائے۔ تاکہ نفرت کی فضاء کم ہو اور اتحاد و یگانگت کی فضا پیدا ہو۔

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ائمہِ کرام، فقہاء کرام، محدثین، مفسرین کے نزدیک بہت سے مسائل میں باہم اِختلاف رہا ہے۔ اس اِختلاف کے باوجود باہمی محبت، خیر خواہی، بھائی چارہ اور اتحاد بھی قائم رہا۔ ایسے ہی بین المسالک برداشت اور ہم آہنگی کے لیے ایک دوسرے کا احترام بھی ضروری ہے۔

زیر مطالعہ مقالہ میں مسالکِ اہلسنت کے علماء و مشاہیر کی جانب سے تقارب عقائد کے لیے کی جانے والی تحریری کاوشوں کا تعارفی جائزہ پیش کیا جائے گا۔ جس سے ایک طرف تو مختلف مسالک کے لوگوں کے درمیان ہم آہنگی کی فضا قائم کرنے میں مدد ملے گی تو دوسری طرف شدت و اختلافات میں کمی واقع ہو گی۔

تقارب عقائد کے حوالے سے ان تمام کاوشوں کی تفصیل میں جانے سے پہلے ضروری ہے کہ عقیدہ کا لغوی اور اصطلاحی معنی کی وضاحت کر دی جائے۔ ذیل میں عقیدہ کا معنی و مفہوم تفصیلاً بیان کیا جاتا ہے:

عقیدہ کا لغوی مفہوم:

لغت میں عقیدہ کے اصلی حروف ع، ق، د (عقد) ہے یہ "عقدالحبل" سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے اس نے رسی کو گرہ دی۔ انسان کے پختہ اور اٹل نظریات کو عقیدہ کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ یقین، اعتبار، بھروسہ اور ایمان وغیرہ کے معنی بھی آتے ہیں۔ عقیدہ

کی جمع عقائد بھی آتی ہے۔ جبکہ اردو میں "عقیدوں اور عقیدے"[1] کے الفاظ بھی جمع کے طور استعمال ہوتے ہیں۔ "العقید" معاہدہ کرنے والے کو کہاجاتاہے۔g

المنجد میں ہے: وہ بات جس پر دل ودماغ پختگی کے ساتھ قائم ہیں جس کو انسان دین سمجھتاہے اور اس کا اعتقاد رکھتاہے۔[2]

عقیدہ کا اصطلاحی معنی:

عقیدہ کا اصطلاحی معنی کو بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر انیس ابراہیم لکھتے ہیں:

"العقیدة الحکم الذی لا یقبل الشک فیه لدیٰ معتقده وفی الدین مایقصدبه الاعتقاد دون العمل کعقیدة وجود الله و بعثه الرسل" [3]

عقیدہ وہ حکم ہے جس میں اس کا معتقد شک کو قریب نہیں آنے دیتااور علوم دینیہ میں اس سے مراد اعتقاد ہے عمل نہیں، جیسے اللہ کے وجود کا عقیدہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا عقیدہ۔

نواب صدیق حسن خان قنوجی ابجد العلوم میں لکھتے ہیں:

"العلم المتعلق بالاحکام الفرعیةیسمی علم الشرائع والاحکام و باالاحکام الاصلیة ای الاعتقادبه یسمی علم التوحید والصفات"[4]

فروعی احکام کے علم کا نام علم الشرائع والاحکام ہے اور احکام اصلیہ (احکام اعتقادیہ) کا علم التوحید والفصات کا نام ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علم التوحید والصفات ہی اصل علم ہے۔ عقیدہ کا درست ہونا بہت ضروری ہے اگر اعمال صالحہ بھی ہوں اور عقیدہ ٹھیک نہ ہو تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

لغوی اور اصطلاحی معنی میں مطابقت:

عقیدہ "عقد" سے بناہے جس کا معنی ہے گرہ لگانا، جس طرح کوئی اپنا جملہ سامان اکٹھا کر کے اس پر گرہ لگاتاہے۔ یابائع اور مشتری جمیع امور یا معاملات کو پورا کرنے کے بعد اپنے مبیع کے متعلق عقد کرتے ہیں یعنی گرہ لگاتے ہیں۔ اسی طرح کسی بھی عقیدہ کا حامل کسی چیز کے متعلق اپنے جمیع خیالات و نظریات کو سمیٹ کر اس پر اپنا عقیدہ بنالیتاہے، یعنی گرہ لگادیتاہے تو کہاجاتاہے اس کا اس چیز کے بارے میں یہ عقیدہ ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ حقیقت کے مطابق ہو یا مخالف۔ اور اس جگہ مطابقت معنوی پائی جارہی ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ نظریہ وحدت ادیان کے قائلین باوجود اپنے دعویٰ اسلام کے خود مسلمان نہیں رہتے اخروی کامیابی کے لیے رسالت محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر حال میں اقرار ضروری ہے۔ مسلمانوں میں عقائد کے اختلافات زمانہ تابعین میں پھوٹ پڑے تھے۔ جن میں معتزلہ، جہمیہ، قدریہ، جبریہ، اور روافض وخوارج کی تحریکیں بڑے زور سے چلیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے کوئی بھی ان کے ساتھ نہیں گیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روش اختیار کرنے والے تابعین کہلائے۔ ان کے طریقے کو چھوڑنے والے اہل بدعت کہلائے۔ صحابہ کرام کی پیروی کرنے والے اہل سنت کہلائے۔

"وَ مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَ مَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" [5]

"پیغمبر جو تم کو دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو"

---

[1] Feroz ud Din, Moulvī, *Feroz ul Lughāt*, Lahore, Feroz Sons, 2011, p.953

[2] Uthmāni, Khalil Ashraf, *Al-Munjad Arbī Urdū,* Karachi, Dār Al Ashā'at, 1994, p.668

[3] Anees, Ibrāhīm, Dr, *Al-Moujam Al-Waseet*, Iran, 620/2

[4] Al-Qanoujī, Siddique Hassan khan, *Abjad ul Uloom*, Damascus, Dār al Kutub al Ilmiyah, 1978, 68/3

[5] Al-Hashar, 59:7

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَ مَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَ يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّه مَا تَوَلّٰى وَ نُصْلِه جَهَنَّمَ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا" (1)

"اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہو جانے کے بعد بھی پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے علاوہ راستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اس کو ادھر ہی چلنے دیں گے۔ قیامت کے دن جہنم میں داخل کریں گے اور بے شک وہ بری جگہ ہے"۔

شریعت میں اعتماد اور یقین تین مصادر پر ہے جو کتاب اللہ، سنت اور اجماع ہے۔ یہ تینوں دین اسلام کے اساس ہیں۔

اختلاف عقائد کا تاریخی پس منظر:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ تک اسلام ایک نہایت اجمالی اور سادہ چیز تھی۔ اس کی تعلیمات میں عقائد کی مباحث کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ اس کا سلسلہ تب شروع ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد مہمات کا آغاز ہوا۔ تاہم اس دور میں بھی مہمات ملکی میں مصروف صحابہ کرام کے ہاں ذات و صفات کی ابحاث کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔ بلکہ بات صرف ایک خدا کی شہادت اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی گواہی دینے تک محدود تھی۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام کی ایک بڑی تعداد ایسی بھی تھی جن کو مہمات ملکی میں زیادہ شغف نہ تھا بلکہ وہ زیادہ تر علمی اشغال میں مصروف رہتے تھے علمی اشغال میں مصروف رہنے والے ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں عقائد کے ضمن میں بعض اہم مسائل زیر بحث رہتے تھے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دور میں عقائد سے متعلق جو مسائل پیدا ہوئے ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1: صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت کا نقطہ نظر یہ تھا کہ کوئی انسان فطرتاً شقی پیدا نہیں ہوتا بلکہ اس میں اس کے ماں باپ کا دخل ہوتا ہے، تاہم بعض صحابہ کرام اس کے برعکس تھے۔

ان کی دلیل یہ حدیث پاک ہے:

"كل مولود يولد على الفطرة حتى يكون ابواه يهودانه وينصرانه"(2)

"ہر پیدا ہونے والا فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے اس کے والدین اس کو یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں"

جبکہ دوسری رائے کے حامل صحابہ کرام کی دلیل یہ حدیث ہے:

" الشقى من شقى فى بطن امه والسيعد من سعد فى بطن امه"(3)

"شقی (بدبخت) اپنے ماں کے شکم سے شقی ہوتا ہے اور سعید اپنی ماں کے شکم سے سعید ہوتا ہے"

2: بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا نظریہ تھا۔ کہ معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کو دیکھا تھا مگر سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نقطہ نظر اس کے برعکس تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے:

" رايت ربى فى احسن صورة فوضع كفه بين كتفى حتى وجدت برد انامله بين ثديى"(4)

میں نے اپنے رب کو بہترین صورت میں دیکھا۔ اس نے اپنا دست قدرت میرے شانوں کے درمیان میں رکھا اور اس کی ٹھنڈک محسوس کی۔

1 Al-Nisā, 4:115

2 Muslim bin Hujjāj, Al-Jāmi AL- Sahīh, Beirut, Dār al Kutub al Ilmiyah, 1992, Hadith: 6755

3 Ibid, Hadith: 2645

4 Tirmidī, Muhammad bin Essa, Al-Sunan, Beirut, Dār al Kutub al Ilmiyah, 1992, Hadith: 3235

اسی طرح ایک روایت ہے:

"فاذا كان يوم القيامة راه المؤمن كما يرون القمر ليلةالبدر"[1]

"پس جب قیامت کا دن ہو گا مؤمن اللہ تعالیٰ کو دیکھے گا جیسے وہ چودھویں رات کے چاند کو دیکھتا ہے"

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی دلیل یہ قرآنی آیت ہے:

"لَاتُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" [2]

"آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں"

بعض محققین کے مطابق اس سے مراد رؤیت دنیا ہے۔ لیکن جمہور عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالی عنہ کے نقطہ نظر سے متفق ہیں۔

3: بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کا نقطہ نظر یہ تھا کہ مردے پر نوحہ کرنے سے اس کو عذاب ہوتا ہے۔ مگر اس کے برعکس بعض اصحاب رسول اس کے قائل نہیں تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ کی روایت ہے:

"ان الميت يعذب ببكاء الحی عليه"[3]

"بے شک مردے کو اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب کیا جاتا ہے"

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی دلیل یہ آیت تھی:

"أَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ" [4]

"کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسری کا بوجھ نہیں اٹھائے گی"

4: صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں سے بعض سماع موتیٰ کے قائل تھے مگر بعض اصحاب رسول اس کے قائل نہیں تھے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی وہ جماعت جو سماع موتیٰ کی قائل نہیں تھی ان کی دلیل درج ذیل آیات تھیں۔

"فَاِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى "[5]

"پس بے شک تم مردوں کو نہیں سنا سکتے"

اسی طرح ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

" وَ مَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ"[6]

"اور تم انہیں سنانے والے نہیں جو قبروں میں پڑے ہیں"

لیکن صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کی جو جماعت سماع موتیٰ کی قائل تھی ان کی دلیل یہ تھی:

"ان رسول الله وقف على قليب بدر فقال: يا عتبه بن ربيعه،ويا شيبة بن ربيعه،ويافلان ويا فلان، هل وجدتم ما وعدكم ربكم حقا، فقد وجدنا ما وعدنا ربناحقا"[7]

---

1 Ahmad bin Hanbal, Al-Musnad, Beirut, Dār al Kutub al Ilmiyah, 1994, Hadith: 8613

2 Al Anām, 6:103

3 Bukhari, Muhammad bin Ismail, Al-Jāmi Al- Sahīh, Beirut, Dār al Kutub al Ilmiyah, 1992, Hadith: 1290

4 Al-Najam, 53:38

5 Room, 30:52

6 Al-Fātir, 35:22

7 Bukhari, Al Jāmi Al Sahīh, Hadith: 33946

"بے شک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے کنویں پر کھڑے ہو کر فرمایا: اے عتبہ بن ربیعہ اور اے شیبہ بن ربیعہ، اور فلاں اور اے فلاں! کیا جو کچھ تمہارے رب نے تمہارے لئے وعدہ کر رکھا تھا اسے تم نے سچا پالیا، پس تحقیق ہم نے سچا پالیا جو ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا"

یہ وہ مسائل تھے جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں عقائد کے حوالے سے زیر بحث رہے تاہم ایک بڑی تعداد ان مسائل کی بھی تھی جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہ کے اعمال کے حوالے سے زیر بحث رہے اور انہیں مختلف فیہ مسائل پر فقہاء نے فقہ کی بنیاد بھی رکھی تھی۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ آگ میں پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ جب یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ کے سامنے بیان کی گئی تو انہوں نے فرمایا اگر ایسا ہے تو پھر گرم پانی کے استعمال سے بھی وضو کرنا لازم ہو گا۔ گویا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حدیث رسول کے حوالے سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں عقلی دلیل سے استدلال کو بھی اہمیت دی جاتی تھی۔

عقائد کے متعلق ابحاث کا سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے دور سے شروع ہو چکا تھا، مگر اس دور کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ مسائل مسلمانوں میں کبھی بھی تفرقہ کا باعث نہیں بنے اور نہ کبھی کسی صحابی نے دوسرے صحابی کا اس بنا پر بائیکاٹ کیا کہ وہ میرے نقطہ نظر سے اختلاف رکھتا ہے۔ اختلاف عقائد کو بنیادی طور پر چھ مراحل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

1 پہلا مرحلہ:

پہلا مرحلہ قرون اولیٰ کا دور تھا جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم میں عقائد کے ضمن میں بعض علمی مسائل زیر بحث آئے۔ اس حوالے سے بعض اصحاب مثلاً حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، سیدنا ابنِ عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور سیدنا عبداللہ بن عمرؓ نے اس موضوع میں خصوصی دلچسپی لی۔

دوسرا مرحلہ:

خوارج اور معتزلہ کا مرحلہ کہلاتا ہے جس میں واصل بن عطاء (700 تا 749ء)، ثمامہ بن اشرس (840م)، ابوالہذیل العلاف (753 تا 841ء)، ابراہیم بن یسار النظام (845م) اور جاحظ (775 تا 868ء) وغیرہ نے اس علم پر کام کیا۔ "اس دور میں علم العقائد کی مباحث میں یونانی فلسفے کے اثرات بھی داخل ہوئے"[1] اس دور میں لوگوں کے درمیان میں باہمی اختلافات شروع ہوئے تاہم یہ مکمل دور خوارج اور معتزلہ سے منسوب ہے۔

3 تیسرا مرحلہ:

علم العقائد کے تیسرے مرحلے کا آغاز اس وقت شروع ہوا جب معتزلہ کے دلائل کے رد میں پہلی مرتبہ خود ان ہی میں سے اشاعرہ اور ماتریدیہ کے مکاتب فکر وجود آئے۔ اس دور کا آغاز ابو الحسن الاشعری (874 تا 932ء) اور ابو منصور ماتریدی (852 تا 944ء) سے شروع ہوا۔ اور بعد میں "ابو بکر الباقلانی (950 تا 1013ء) اور امام الحرامین الجوینی (1028 تا 1085ء) نے ان کے اس کام کو آگے بڑھایا"[2] اس دور میں معتزلہ کے دلائل کو عقل کی بنیاد پر پرکھنے اور ان کا رد کرنے کی روایت پروان چڑھی۔

4 چوتھا مرحلہ:

عقائد کا چوتھا مرحلہ امام غزالی (1058 تا 1111ء) اور امام رازی (1149 تا 1210ء) کا دور کہلاتا ہے۔ "امام غزالی اور امام رازی

---

[1] Siddique Hassan Khan, *Abjad ul Uloom*, 450/2

[2] Muhammad Abdūhū, Tariq A. Haleem Khan, *Al-Moutazlah: Bain al qadeem wa al Hadith*, Dār ul Arqum, 1978, p.37

نے علم العقائد میں شامل یونانی فلسفے کے اثرات کو زائل کرنے کی بھرپور کوشش کی اور اس ضمن میں متعدد دلائل کے ذریعے فلسفے کے بخیے ادھیڑ دیئے" [1] تاہم اس حوالے سے بہت سے ایسے مسائل بھی انہوں نے قلم بند کیے جو اسلام مخالف نہیں تھے اور فی نفسہ ہی درست بھی تھے۔

5 پانچواں مرحلہ:

علم العقائد میں پانچواں دور تب شروع ہوا جب خود اشاعرہ کے مختلف فیہ مسائل پر بھی نقد کا آغاز ہوا، چنانچہ :"ابن رشد (1126 تا 1198ء) نے اشاعرہ کے دلائل پر نقد کرتے ہوئے ثابت کیا کہ فلسفے کو مکمل طور پر رد کر دینا قطعی درست نہیں"[2] بعد ازاں امام ابن تیمیہ (1263 تا1328ء) نے بھی اشاعرہ کے بعض مسائل پر نہایت آزادی اور بے باکی سے نکتہ چینی کی اس دور کی خاص بات یہ ہے کہ اشاعرہ کا اثر ختم ہو گیا۔

6 چھٹا مرحلہ:

ابن رشد اور ابن تیمیہ کے بعد اسلامی علوم وفنون کو جو زوال آیا اس کا اثر علم العقائد پر بھی پڑا۔ پھر ایک طویل عرصے کے بعد امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (1703 تا1762ء) سے علم العقائد کا چھٹا دور شروع ہوا جو اب تک جاری ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنے دور تک گئے علم العقائد پر نظر ڈالی اور اس کی خوبیوں اور خامیوں کا نا صرف بڑی آزادی سے تجزیہ کیا بلکہ اسے کئی نئی جہات سے روشناس کروایا۔ اسی زمانے میں سر سید احمد خان (1817 تا1898ء) نے نصوص کی عقلی توجیہات پر بحث کی جس نے مباحث کے ایک نئے دور کو جنم دیا۔ تاہم ان کی فکر پر معتزلہ کی چھاپ کا اثر بہت نمایاں ہے۔ اسی وجہ سے اس کو علماء کے حلقوں میں زیادہ شہرت حاصل نہیں ہو سکی۔

اگرچہ عقائد سے متعلق مباحث کا سلسلہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم کے دور سے شروع ہو چکا تھا لیکن اس کی باقاعدہ بنیاد تابعین کے دور میں پڑی جو بنو امیہ کا دور بھی کہلاتا ہے۔ پھر عباسی دور میں جب یونانی فلسفے کی کتب کے عربی تراجم ہوئے اور ان کتب پر متاثر ہو کر ایک بڑے طبقے نے اہل علم سے عقائد کے متعلق مسائل کا عقلی جواب طلب کیا تو حالات ایک دوسرا رخ اختیار کر گئے۔ اس وقت کے علماء نے اس عمل کی شدید مخالفت کی اور واضح کیا کہ عقائد کے مسئلے میں موشگافیاں نہ کی جائیں۔ دوسری طرف اہل علم کا ایک بڑا طبقہ اس پر متفکر ہوا کہ عقائد سے متعلق ان مسائل کا جواب اگر نہ دیا گیا تو عوام میں شدید مایوسی پیدا ہو گی۔ بعید نہیں کے بہت سے لوگ اپنا دین ہی تبدیل کر لیں۔ چنانچہ اسی سبب سے علم العقائد کا باقاعدہ دور شروع ہوا۔

> "اہل علم کے ایک طبقے کے نزدیک سب سے پہلا اختلاف جو عقائد کے متعلق پیدا ہوا وہ کلام الہی کی نسبت سے پیدا ہوا اسی مناسبت سے اسے علم عقائد کا نام دیا گیا"[3]

کیوں کہ اس علم کے اپنے خدوخال واضح نہیں تھے اور نہ ہی اس کی حدود اور دائرہ کار کا تعین کیا گیا تھا اس لیے یہ علم لوگوں کی رہنمائی کرنے کے بجائے ان میں علمی و فکری انتشار کا باعث بن گیا۔ علم العقائد کی ایجاد کے بعد اس میں فلسفے کی بہت سی اصلاحات بھی شامل ہو گئیں۔ علماء کے لیے ان دونوں میں باہمی امتیاز کرنا مشکل ہو گیا اور چونکہ یونانی فلسفے کو علماء کے ہاں پہلے ہی کوئی اچھی شہرت حاصل نہ

---

1 Al Ghazali, Muhammad, *Al-Munqiz Min al-Zalāl*, Istanbul, Maktabah Aishaq, 1976, p.88

2 Rushd, Muhammad bin Ahmad, *Kitāb Fasl al-Maqāl wa Taqreer mā baina al-Sharia wa al-Hikmah Min al-Ittesāl*, Beirut, Dār al Mashriq, p.22, 23

3 Jābir Idrīs ʿAlī Mīr, Al-Muʿtazilah: Manhaj al-Salf wa al-Mutakalymīn (Madinah Munawarah: Azwā AL-Salf, 1998 AD), 1/57-58.

تھی اس لیے اس کو علماء نے کلی طور پر رد کر دیا۔ اسی وجہ سے ان دونوں کے درمیان عقائد کے معاملے میں ایک طویل اختلافی سلسلہ شروع ہوا۔ دونوں مکاتب فکر کی جانب سے سینکڑوں کتابیں ایک دوسرے کے رد میں لکھی گئیں۔

"پہلی صدی ہجری سے لے کر پانچویں صدی ہجری تک اس کا زور رہا اور عباسی خلفاء میں سے اکثر نے اس کی سرپرستی کی لیکن پھر اس کا زوال شروع ہو گیا"[1]

طویل عرصہ کے بعد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ انہوں نے ایک نئے انداز میں اس دوری کو ختم کرنے کی کوشش کی۔ ان کے زمانے تک بڑی تعداد میں عقائد سے متعلق کتب لکھی جا چکی تھیں لیکن احکام شریعت کی علل واسباب پر باقاعدہ کچھ نہیں لکھا گیا تھا۔ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم اسرار دین کے موضوع پر "حجۃ اللہ البالغہ" کے نام سے باقاعدہ کتاب تصنیف فرمائی۔

شروع میں تو لوگوں پر قرآن وحدیث کا اثر بہت گہرا تھا۔ اس لیے عقائد کے معاملے میں کسی بھی طرح کی موشگافی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ عقائد کی مباحث کو عوامی سطح پر بھی کوئی خاص مقبولیت نہ تھی اس لئے اس کی مخالفت اور اس پر سخت گرفت سے ڈرتے تھے۔ لیکن عباسی عہد میں اس کو بطور فن کافی مقبولیت حاصل ہوئی اور کچھ سیاسی پشت پناہی بھی حاصل ہو گئی۔

برصغیر پاک وہند میں کئی مسالک اور مذہب کے لوگ موجود تھے۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد یہاں پر اب تین بڑے مسالک موجود ہیں جن میں (1) اہل حدیث (2) دیوبندی (3) بریلوی شامل ہیں۔

1: مسلک اہل حدیث

پاکستان میں پائے جانے والے اہل سنت کے مسالک میں سے ایک مسلک اہل حدیث ہے اس مسلک کے ماننے والوں نے اپنی نسبت کو محدثین کی فکر کی طرف منسوب کیا ہے اس مسلک کی بنیادی فکر میں یہ بات شامل ہے کہ یہ شریعت کے بنیادی ماخذ قرآن وحدیث سے بغیر کسی واسطے کے دین کی دعوت دیتے ہیں۔ اس مسلک کے ماننے والے قدیم روایات سے اپنے تعلق کا دعوی کرتے ہیں۔ اہل حدیث علماء کا نظریہ ہے کہ یہ کوئی نئی جماعت نہیں بلکہ کتاب وسنت کی وہی جماعت ہے جو عہد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہد صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانے سے چلی آ رہی ہے۔ اس مسلک کے ماننے والے اپنی بات پر یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس طرف بھی گئے ان کے ساتھ ہی نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کی حدیث بھی وہاں تک پہنچ گئی۔

تدوین حدیث کے دور اور خیر قرون میں حدیث پاک سے تعلق رکھنے والے اور عمل بالحدیث کی دعوت دینے والے محدثین بھی اپنے لئے "اہل حدیث" اور "اہل الاثر"[2] کا لفظ استعمال کیا کرتے تھے۔ مسلک حدیث کے ماننے والے بھی اسی فکر پر پابند ہونے کے دعوے دار ہیں۔ وہ بھی اصحاب حدیث ہی تھے جنہوں نے جس سرزمین پر قدم رکھا اسی جگہ مکتب اہل حدیث وجود میں آ گیا۔

تحریک اہل حدیث کی بنیاد:

برصغیر میں تحریک اہل حدیث کو باقاعدہ ایک فکر کے طور پر ابتدائی مراحل میں متعارف کروانے والوں میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خاندان کا عمل دخل ہے۔ بیسویں صدی ہجری کے آغاز میں آل انڈیا "اہل حدیث" کانفرنس منعقد ہوئی جہاں سید نذیر حسین رحمۃ اللہ علیہ نے شاہ ولی اللہ کی فکر کو ایک تحریک کی شکل عطاء کی اور اپنی تبلیغ وتدریس کے ذریعے اس تحریک میں نئی جان پیدا کر دی۔ اس فکر کے ماننے والوں کو مختلف ممالک میں مختلف ناموں سے پکارا جانے لگا:

"اہل حدیث، وہابی، اثری اور عرب ممالک میں اہل السنہ، سلفی، وہابی اور اہل حدیث وغیرہ کے ناموں سے جانے جاتے ہیں"[1]

---

[1] Abū Muḥammad Zohrā, Tārīkh al-Jaddal (Beirūt: Dār al-Fikr Al-'Arbī, S.N), 241.

[2] Muḥammad Ibrāhīm Siyalkotī, Tārīkh e Ehl-e-Ḥadith (Lāhore: Maktabah Quddusiyah, S.N), 158.

پاکستان میں اس وقت مسلک اہلحدیث کی ترجمان بہت سی جماعتیں اور انجمنیں موجود ہیں۔ جن میں سب سے بڑی جماعت "مرکزی جمعیت اہل حدیث پاکستان" ہے اس کے علاوہ دوسری نمائندہ جماعتوں میں "جماعت اہلحدیث" "جمعیت اہل سنت" اور "مرکزی جمعیت اہلحدیث عالمی" وغیرہ شامل ہیں۔

مسلک اہل حدیث کے مشاہیر علمائے کرام:

مسلک اہل حدیث سے تعلق رکھنے والی ہزاروں معاصر و معروف شخصیات اس دنیا میں موجود ہیں اور سینکڑوں گزر چکی ہیں جن کی اس مسلک کے لئے بے پایاں خدمات ہیں۔ اسی مناسبت سے ان میں سے چند مشاہیر علماء کرام کا مختصر سا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

1: سید نذیر حسین محدث دہلوی: سید نذیر حسین محدث دہلوی 1805ء کو ہندوستان کے ضلع منگیرہ میں پیدا ہوئے۔ اور 1902 میں اس جہان فانی سے پردہ فرما گئے "[2]، 2: نواب صدیق حسن خان: نواب صدیق حسن خان 1832 کو بریلی میں پیدا ہوئے۔[3] آخری ایام تکلیف میں گزارے اور 1890ء میں اس دنیا کو خیر آباد کہہ دیا۔، 3: محمد حسین بٹالوی: محمد حسین بٹالوی 1841ء کو ہندوستان میں پیدا ہوئے۔[4] دین اسلام کی خدمات کرتے ہوئے 1338ھ میں دار فانی سے کوچ کر گئے۔، 4: ثناء اللہ امرتسری: ثناء اللہ امرتسری 1868ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ فالج کی وجہ 1948ء میں عالم فانی کو الوداع کہہ گئے "[5]، 5: محمد بن ابراہیم جوناگڑھی: محمد بن ابراہیم 1890ء کو جوناگڑھ میں پیدا ہوئے۔[6] اور 28 فروری 1941ء کو جوناگڑھ میں انتقال کیا۔

2: مسلک دیوبند

1857ء کی جنگ آزادی میں ناکامی کے بعد انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کو سیاسی اقتدار کے ساتھ نہ صرف معاشرت و معیشت میں نقصان ہوا بلکہ تعلیمی نظام بھی درہم برہم ہو گیا۔ انگریزوں نے جو نظام تعلیم نافذ کیا اس کو مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں نے بہت جلدی قبول کیا۔ برطانوی مفکر اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ ہم جو نظام تعلیم نافذ کرنے والے ہیں وہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کے منافی ہے۔ علمائے ہند انگریز کے اس خطرے کو بہت جلد بھانپ گئے تھے 1803ء میں جب انگریز ملک کے بیشتر حصوں پر قابض ہوئے تو علمائے کرام نے انگریز سامراج کے خلاف تحریکیں شروع کر دیں۔

ملکی حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے شاہ عبد العزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک تاریخی جملہ کہا:

"آج کے بعد برصغیر دارالحرب ہے"۔[7]

برطانوی مظالم روکنے کے لیے مسلمانوں نے جید علمائے کرام کو شہید ہوتے دیکھا، جنازوں میں جم غفیر بھی دیکھا، ہزاروں مسلمانوں نے جانیں قربان کیں لیکن اس کے باوجود ہندوستان برطانوی حکومت کے تسلط سے نہ بچ سکا۔ انگریزوں نے ہندوستان میں اثر و رسوخ کے

---

[1] Muḥammad Shafīq khan Pisroarī, Laqab e Ehl-e-Ḥadith (Lāhore: Markazī Jam'īyat Ehl-e-Ḥadith Pākistān, S.N), 169.

[2] Qāzī Muḥammad Aslam, Tehrīk e Ehl-e-Ḥadith Tārīkh key Āyīney mein (Lāhore: Maktabah Quddusiyah, 2005 AD), 323.

[3] 'Atīq Amjad, Nawāb Siddique Ḥassan kī Khidmāt-e-Ḥadith (Lāhore: Maktabah Islāmiyah, 2011 AD), 705.

[4] Muḥammad Bahā ud-dīn,Tārīkh Ehle-e-hadīth (Lāhore: Maktabah Islāmiyah, 2011 AD), 705.

[5] Abū Yaḥyā Khān Nushehrvī, Nuqūsh Abū al-wafā (Lāhore: Idārah Tarjumān al-Sunnah, 1949 AD), 21.

[6] 'Abdul Rashīd 'Irāqī, Chālīs 'Ulamā Ehl-e-Ḥadīth (Lāhore: Nu'mānī Kutub Khāna, 1995 AD), 156.

[7] Faisal Aḥmad Bhatklī, Teḥrīk e Āzādī mein 'Ulamā ka kirdār (Lakhnau: Majlis e Teḥqīqāt wa Nashriyāt-e-Islām, 2015 AD), 244.

ساتھ نیا طرز تعلیم متعارف کروایا تو مسلمانوں نے بغیر کسی خوف و خطر کے اس کو رد کر دیا۔ اور اس کے مقابلے میں مدارس کا قیام تیزی سے شروع کیا۔

مسلک دیوبند کے مشاہیر علماء کرام:

دارالعلوم دیوبند سے مستفیض ہونے والی سینکڑوں شخصیات گزر چکی ہیں اور موجود بھی ہیں جن کی اس ادارے (دارالعلوم دیوبند) کے لئے بے پایاں خدمات ہیں۔ جن کی وجہ سے مدرسہ کی مقبولیت نہ صرف ہندوستان میں ہوئی بلکہ دوسرے ممالک سے بھی طلباء کا رجحان و میلان اس طرف ہوا۔ اور علوم اسلامیہ کے لیے طلباء تشریف لانا شروع ہوئے اسی مناسبت سے ان میں سے چند مشاہیر علماء کرام کا مختصر سا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ جنہوں نے اس کار خیر کے لیے اپنی زندگیاں وقف کیں۔

1: رشید احمد گنگوہی: رشید احمد گنگوہی 1827ء کو گنگوہ میں پیدا ہوئے۔[1] دارالعلوم کی خدمت کرتے ہوئے 1905ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔، 2: محمد قاسم نانوتوی: محمد قاسم نانوتوی ضلع سہارن پور میں 1833ء کو پیدا ہوئے۔ اور 1880ء کو اپنے خالق حقیقی سے جاملے [2]، 3: حاجی سید محمد عابد: سید محمد عابد کا سن ولادت 1834ء ہے۔[3] آپ 1912ء میں اس دنیا فانی سے پردہ فرما گئے۔، 4: محمود الحسن دیوبندی: محمود الحسن دیوبندی 1851ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔[4] دین اسلام کے لئے جدوجہد کرتے 1920ء میں دار فانی سے رخصت ہو گئے۔، 5: اشرف علی تھانوی: اشرف علی تھانوی 1863ء میں پیدا ہوئے۔[5] دین اسلام کے ہر شعبہ میں قلم اٹھایا۔ اور 1943ء میں اپنے خالق حقیقی سے جاملے۔

3: مسلک بریلوی

مسلمانوں نے برصغیر پاک و ہند پر بہت عرصہ تک حکمرانی کی۔ جس میں غیر مسلموں کو پوری طرح مذہبی رسومات کو ادا کرنے کی آزادی اور شہری حقوق بھی حاصل تھے۔ انگریز سامراج نے اسی چیز کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ نااہل حکمرانوں کی بدولت برصغیر پر قبضہ کر کے اپنی حکمرانی رائج کر لی۔ انگریز کو برصغیر میں جس قوم سے سب سے زیادہ خطرہ تھا وہ قوم مسلمان تھی۔ کیونکہ مسلمانوں نے طویل عرصہ تک برصغیر پر حکومت کی تھی۔ دوسری وجہ مسلمان قوم کا جذبہ جہاد تھا۔ جو انہیں کسی بھی وقت جنگ کے لیے تیار کر سکتا تھا۔ اسی خطرے کے پیش نظر انگریز سامراج نے مسلمانوں کو آپس میں توڑنے کی کوششیں کیں۔ انگریزوں نے مسلمانوں کے ایمان کو شکوک و شبہات میں ڈالنے کے لئے عیسائی مشنریز کا سہارا لیا۔ تو دوسری جانب مسلمانوں میں انتشار پھیلانے کے لیے غلام احمد قادیانی کی شکل میں ایک تیر پھینکا۔

> "جس نے نبی ہونے کا دعوی کیا۔ فتنہ قادیانیت کو علماء کرام نے مدلل انداز میں رد کیا اور خوب اس کی مذمت کی۔ جس میں احمد رضا خان بریلوی نے بھی اس فتنہ کی بھرپور حوصلہ شکنی کرتے ہوئے وحدت ملت پر زور دیا۔ مرزا قادیانی کا قلع قمع کرنے میں بہت اہم

---

[1] Muḥammad Zyed Nadvī, Dār al-ʻUlūm Deoband kī Markaziyat aik Musallamah Ḥaqīqat (Lakhnau: Idārah Dār al-Ulūm Nadvatul ʻUlamā, 2019), 15.

[2] Muḥammad Ya'qūb Nānutvī, ḤāLāT-e-Tayyib (India U.P: Ilāhī Baksh Academy, 1297 AD), 33.

[3] Muḥammad Allah Qāsmī, Dār al-ʻUlūm Deoband kī Jām'e wa Mukhtaṣar Tārīkh (Dehlī: Sheikh al-Hind Academy Dār al-ʻUlūm Deoband, 1992 AD), 443.

[4] Sheikh Muḥammad Abū Bakar, Maulāna Maḥmūd Ḥassan Sheikh al-Ḥind (Lāhore: Iqrā Qurān Acedemy, 2012 AD), 7.

[5] Muḥammad Tayyib, Tārīkh Dār al-Ulūm Deoband (Karāchī: Maktabah Dār al-ʻUlūm, 1972 AD), 59.

کردار ادا کیا"[1]

جنگ آزادی کے مختلف مسالک کے علماء اور زعماء نے مسلمانوں کے ایمان کو بچانے اور دین اسلام کی بقا کی خاطر کئی تنظیمیں تشکیل دیتے رہے۔ جب ہندوستان میں مسلم لیگ قائم ہوئی تو اس خطے میں بسنے والے مسلمان کسی مسلک کی شناخت کے بغیر اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔ اگر انہیں مسلکی اعتبار سے دیکھا جائے تو مسلم لیگ میں شامل ہونے والے زیادہ تر بریلوی مسلک کے لوگ تھے۔

بریلوی مسلک کے مشاہیر علمائے کرام:

بریلوی مسلک کے پس منظر اور اس کے آغاز و ارتقا کو مختصر بیان کرنے کے بعد ان مشاہیر علماء کرام کا بھی مختصر تعارف کروایا جاتا ہے جنہوں نے مسلک بریلوی کے فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا۔

1: احمد رضاخان بریلوی: احمد رضاخان بریلوی میں ۱۸۵٦ء کو پیدا ہوئے۔[2] آخری ایام تک مصروف زندگی بسر کی اور 1921ء میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔،2: محمد حامد رضاخان بریلوی: محمد حامد رضاخان 1875ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔[3] اور 1943ء میں وصال فرما گئے۔،3: مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی: مولانا نعیم الدین مراد آبادی 1883ء کو پیدا ہوئے۔[4] اور 1948ء میں وفات پاگئے۔،4: مفتی احمد یار خان نعیمی: مفتی احمد یار خان نعیمی 1894ء کو ہندوستان میں پیدا ہوئے۔[5] خود کو درس و تدریس میں مصروف رکھا اور 1971ء میں انتقال فرما گئے۔،5: محمد عبدالستار خان نیازی: محمد عبدالستار خان نیازی 1915ء میانوالی میں ہوئے۔[6] 2 مئی 2001ء کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

تقاربِ عقائد کے لیے علماء اہل سنت کی کوششیں

پاکستان میں موجود مسالک (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی) کے درمیان اِختلافات جہاں دینِ اسلام کے لیے سوالیہ نشان ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمانوں کی ساخت کو اس مسلکی رویے کی وجہ سے بہت نقصان ہو رہا ہے۔ دیوبندی، بریلوی دونوں امام ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور عقائد میں دونوں امام ابوالحسن اشعری اور امام ابو منصور ماتریدی کو مقتدا مانتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود دونوں کے درمیان اِختلاف پایا جاتا ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلکی اختلافات ختم کیے جائیں۔ اور قرآن و سنت کے تناظر میں مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔ تمام مسالک (اہل حدیث، دیوبندی، بریلوی) کے علماء نے امت میں قربت پیدا کرنے کے لیے کوشش کی ہے۔

اہل حدیث مکتبہ فکر تقارب کی کاوشیں:

مسلکِ اہلِ حدیث میں سے محمد اسحاق صاحب امت کا درد رکھنے والے عالمِ دین تھے۔ امتِ مسلمہ کے مسلکی اِختلافات کو کم کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ اسی اِختلاف کو کم کرنے کی ایک کوشش "وحدت امت" رسالہ ہے:

---

[1] Ahamd Raza Khan, Imām, *Fatāwā Ridwiyyah*, Lahore, Maktabah Ridwiyyah, 2012, p.11

[2] Ridwī, Zafeer ud Dīn, *Hayāt e Ā'lā Hazrat*, Lahore, Maktabah Nabawiyyah, 2003, p.56

[3] Muhammad Masūd Ahmad, Dr., *Khulfā e Ālā Hazrat*, Lahore, Raza Academy, 1998, p.76

[4] MURADABADI, Muhammad Naeem ud Din, *Kitāb ul Aqā'id*, Karachi, Matkatah Madina, 2004, p.11

[5] Siddiqui, Bilal Ahamad, *Hālāt e Zindagī Muftī Ahmad Yār Khān*, Gujrat, Naeemī Kutub Khana,2004, p10

[6] S. Muhammad Munir Ahamd, *Waffiyāt Nāmwarān e Pakistan*, Lahore, Noumāni Kutub Khānah, p.495

مصنف کا تعارف:

"محمد اسحاق بن میاں منشی 15 جون 1935ء کو تحصیل و ضلع فیصل آباد گاؤں رڑانالہ میں پیدا ہوئے۔ دارالعلوم، چک جھمرہ میں مولانا امداد الحق دیوبندی فاضل دارالعلوم دیوبند انڈیا سے درس و تدریس کا سلسلہ جاری رکھا"[1] آپ کی تصانیف میں تین کتب ہیں رسالہ وحدت امت خطبات اسحاق، حج و عمرۃ۔ آپ 18 اگست 2013 کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

رسالہ کا تعارف:

نام رسالہ: وحدتِ امت

مصنف: مولانا محمد اسحاق

اشاعتِ نہم: جنوری 2005ء

ناشر: مکتبہ ملیہ، فیصل آباد

صفحات: ۹۵

دراصل یہ رسالہ مولانا محمد اسحاق کا خطبہ جمعہ ہے جو کہ 8 رمضان المبارک 1412ھ کو جامعہ مسجد کریمیہ فیصل آباد میں دیا گیا۔ مولانا محمد اسحاق پنجابی زبان میں گفتگو کیا کرتے تھے۔ یہ خطبہ بھی پنجابی زبان پر مشتمل تھا۔ بعد میں اردو زبان میں لکھا گیا۔ پیش لفظ میں دور حاضر میں ملتِ اسلامیہ کو درپیش چیلنجوں سے آگاہ کیا ہے اور اس بات کو واضح کیا ہے کہ امت مسلمہ کی مسالک کی تفریق انتہائی افسوسناک پہلو ہے۔ مسلمانوں کی باہمی تفرقہ بندیاں امتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑے نقصان کا سبب ہیں اور یہ دشمنانِ اسلام کی سازش ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کسی گروہِ انسانی کو برے اعمال کی بناپر عذاب میں مبتلا کرتا ہے تو اس کی مختلف صورتوں میں سے ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ اللہ تعالی اس گروہ کو متفرق کر دیتا ہے جس کی بنا پر اس کی طاقت ختم ہو جاتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

"اَوۡ يَلۡبِسَكُمۡ شِيَعًا وَّيُذِيۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ" [2]

"یا وہ تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور تمہیں ایک دوسرے کی لڑائی کا مزہ چکھادے۔"

اس رسالہ میں یہ موقف اختیار کیا گیا ہے۔ کہ مختلف اسلامی فرقوں کو نہ تو ایک دوسرے کی تکفیر کرنی چاہیے اور نہ ہی محض فقہی اختلاف کی بنا پر ایک دوسرے کی اقتداء میں نماز باجماعت سے گریز کرنا چاہیے۔ لیکن وہ گروہ جو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کے قائل ہوں، انہیں ہم اسلامی فرقوں میں شمار ہی نہیں کرتے کیونکہ وہ خود کو ملت اسلامیہ سے خارج کر چکے ہیں۔

عالم اسلام اس بات پر دست و گریباں ہیں کہ ہاتھ کھول کر نماز پڑھیں یا باندھ کر۔ جبکہ دشمنان اسلام ان کے ہاتھ کاٹنے کی فکر میں ہیں۔ اتحاد ملت کی جتنی اشد ضرورت ہمیں آج ہے۔ اس سے پہلے شاید کبھی بھی نہ تھی۔ مسلمانوں کے مختلف فرقوں کے درمیان اختلافات جو تاریخ کے مختلف ادوار میں کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتے رہے ہیں، مگر اس پر آشوب دور میں اس نہج پر پہنچ گئے ہیں کہ ایک دوسرے کے خلاف مسلمان گروہ منظم کیے جا رہے ہیں اور صرف فقہی اختلافات کی بنا پر ایک جماعت جماعت دوسری جماعت کو نیست و نابود کرنے کی کوشش میں ہے۔ ہمارے بعض علماء اپنے ہی بھائیوں کو تکفیر کی چھری سے ذبح کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کے درمیان نفرت اتنی بڑھ گئی ہے کہ ان کو ایک دوسرے کا وجود برداشت کرنا بھی گوارا نہیں۔

[1] Muhammad Ishāq, *Moulānā, Khutbāt e Is'hāq*, Faisalabad, Maktabah Takbīr, 2005, 6/1

[2] Al-Anām, 6:65

مناظر اسلام ثناء اللہ امرتسری سے کسی نے پوچھا کہ: آپ مقلدین مذہب اربعہ کو عموماً اور حنفیہ کو خصوصاً کافر کہتے ہیں۔ دائرہ اسلام سے خارج تصور کرتے ہیں کیا ان کے کفر کے متعلق کوئی تحریر بھی شائع کی ہے۔

ثناء اللہ امرتسری نے جواب میں لکھا:

"مجھے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ یہ سوال مجھ جیسے شخص سے کیوں پوچھا گیا جس نے کبھی کسی کے فتوئے کفر پر دستخط نہیں کیے کیونکہ میرا اس بات میں وہی مسلک ہے جو امام ابو حنیفہ کا ہے"

"لا نكفر اهل القبلة"[1]

"اہل قبلہ کی تکفیر جائز نہیں"

کسی حدیث کی صحت کے بارے میں شعبہ کا اظہار کرنے پر کوئی کافر نہیں ہوتا۔ جب تک وہ دیدہ دلیری سے یہ نہ کہہ دے کہ ہاں میں مانتا ہوں قرآن میں یہ لکھا ہے لیکن میں نہیں مانتا۔ یا حدیث کے بارے میں ایسے الفاظ ادا کرے لیکن اگر کوئی حدیث کی صحت کے بارے میں شک کرتا ہے یا کوئی شخص کسی آیت کے مفہوم کے بارے میں اختلاف کرتا ہے تو اسے سمجھانا بہتر ہو گا نہ کہ اسے دائرہ اسلام سے ہی خارج کر دیا جائے۔ ہمیں چاہئے کہ تمام فروعی مسائل کو بھلا کر تمام مسالک کا احترام کریں جب تک کوئی فرد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری نبی مانتا ہے وہ آپ کا دینی بھائی ہے۔ اگر کوئی فرد راہ راست سے بھٹکا ہو یا اس کے مسائل کو آپ غلط تصور کرتے ہیں تو اسے پیار محبت سے سمجھانے کی کوشش کریں۔

ہر فرقہ اپنے عقائد اور فقہ کی تدوین کر چکا ہے، ایک آدمی تو اپنا مسلک چھوڑ کر دوسرے مسلک شامل ہو سکتا ہے نا کہ تمام کا تمام فرقہ۔ آج دنیا بھر کی تخلیقی قوتیں اسلام کے خلاف محاذ آرا ہیں کئی خطوں میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے۔ خون مسلم کی ارزانی پر ہر آنکھ اشکبار ہے۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کا اتحاد وقت کی پکار ہے۔ تبلیغی مساعی بے ثمر ثابت ہو رہی ہے۔ خدارا ہوش میں آئیں اور امت مسلمہ کو کمزور نہ کریں جو بھی کلمہ گو ہے اس کا احترام کریں۔

دیوبندی مکتبہ فکر تقارب کی کاوشیں:

مسلک دیوبند میں سے جن علماء نے تقارب عقائد کے لیے کاوشیں کیں ان میں سے ایک مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔ آپ امت مسلمہ کے مسلکی اختلافات کو کم کرنے اور امت کو متحد کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ اسی اختلاف کو کم کرنے کی ایک کوشش "فیصلہ ہفت مسئلہ" رسالہ ہے:

مصنف کا تعارف:

آپ 1814ء کو قصبہ نانوتہ ضلع سہارن پور میں پیدا ہوئے۔ جو آپ کا ننھیال تھا۔ آپ کا آبائی وطن تھانہ بھون یو۔ پی ہے۔

"آپ کا نام آپ کے والد مرحوم نے امداد حسین رکھا تھا۔ لیکن حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب نبیرہ شاہ عبد العزیز صاحب نے امداد اللہ کے لقب سے ملقب فرمایا چنانچہ اس نام کو حاجی صاحب نے بھی ترک کر دیا۔ کتابوں اور خطوط میں ہمیشہ امداد اللہ ہی لکھا"[2]

عبد الرشید ارشد آپ کے بارے میں فرماتے ہیں:

"آپ نسلاً فاروقی تھے آپ کا سلسلہ نسب پچیس واسطوں سے سلسلہ تصوف کے مشہور بزرگ حضرت ابراہیم بن ادھم سے ملتا ہے"[3]

---

1 *Fatāwā Sanāiyah*, 363/1 ref. *Haft Rozah Ahl-Hadith*, September 7, 1917

2 Anwār ul Hassan, Sher koti, Prof., *Hayāt e Imdād*, Karachi, Madrassah Arbiyah, 1965, p.54

3 Arshad, Abdul Rasheed, *20 Barray Musalmān*, Lahore, Maktabah Rasheediyah, p.84

حاجی صاحب نے اگرچہ رسمی طور پر زیادہ علم حاصل نہیں کیا اور نہ ہی کسی درسگاہ سے آپ کی باقاعدہ وابستگی رہی۔ اس کے باوجود علم کس قدر تھا؟

اس کے بارے میں مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"حضرت حاجی صاحب نے صرف قافیہ تک پڑھا تھا اور ہم نے اتنا پڑھا ہے کہ ایک اور قافیہ لکھ دیں مگر حضرت کے علوم ایسے تھے کہ آپ کے سامنے علماء کی کوئی حقیقت نہ تھی ہاں اصلاحات ضرور بولتے تھے"[1]

حاجی صاحب کی تصنیفات بنیادی طور پر دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو کردار و شخصیت کی صورت میں ہوتی ہیں۔ دوسری قسم وہ ہے جو الفاظ و قرطاس کی رونق ہوتی ہیں۔ انسان کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو وہ بہر حال فانی ہی ہے۔ کوئی انسان اس کارخانہ قدرت میں ناگزیر نہیں۔ حاجی صاحب 1899ء میں داغ مفارقت دے گئے۔ آپ جنت المعلی میں مولانا رحمت اللہ کیرانوی مکی کے متصل دفن ہوئے۔

کتاب کا تعارف:

نام کتاب:	فیصلہ ہفت مسئلہ
مصنف:	حاجی امداد اللہ مہاجر مکی
اشاعت دوم:	جون 1973ء
ناشر:	محکمہ اوقاف، پنجاب
صفحات:	40

فیصلہ ہفت مسئلہ کا تجزیہ:

یہ کتاب (فیصلہ ہفت مسئلہ) حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی لکھی ہوئی ہے۔ جس میں ان مسائل کی وضاحت کی گئی ہے جن کی وجہ سے اہل سنت (بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث) علماء اور عوام میں اکثر اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کتاب میں ان اختلافات کو ذکر کیا گیا ہے اور ان سے بچنے کا طریقہ بھی واضح کیا گیا ہے۔ اکثر اختلافات فروعیہ ہیں جس سے طرح طرح کے فسادات برپا ہوتے ہیں۔ جس سے خواص کے وقت اور عوام کے دین ضائع ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ ان سات مسائل میں سے پانچ عملی ہیں اور دو علمی ہیں۔ جس مسئلہ میں زیادہ بحث ہوتی اس کو پہلے بیان کیا اور جس میں کم اس کو بعد میں اسی ترتیب سے ان سات مسائل کو ذکر کیا گیا ہے۔

مولود شریف:

ولادت مصطفیٰ ﷺ کے ذکر میں تو کسی کو اختلاف نہیں مگر اس کی تاریخ مقرر کرنا اور قید لگانے پر اعتراض ہے۔ جن میں سے قیام یعنی کھڑے ہو کر سلام پڑھنا ہے۔ بعض علماء اس قیام سے منع کرتے ہیں:

"كل بدعة ضلالة"[2]

"ہر بدعت گمراہی ہے"

اس حدیث کی وجہ سے اور اکثر اس کی اجازت دیتے ہیں۔

"مَن اَحدثَ فِي امرناهذامالیس مِنهُ فهو رَد" [3]

"جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی نئی بات ایجاد کی جو اس میں سے نہ ہو، وہ مردود ہے۔"

---

[1] Thānwī, Ashraf Ali, *Arwā e Thalathah*, Karachi, Dār Al Ashā'at, p.172

[2] Tirmidī, Muhammad bin Essa, *Al-Sunan*, Hadith: 2676

[3] Muslim bin Hujjāj, *Al-Jāmi Al-Sahīh,* Beirut, Dār Al-Kutub Al-Ilmiyah, 1992, Hadith: 4493

اگر کوئی (تاریخ، قیام، وغیرہ) کو عبادت نہیں سمجھتا صرف مصلحت خیال کرتا ہے اور حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے ذکر کے احترام کی وجہ سے کرتا ہے تو یہ بدعت نہیں ہے۔ اگر ان مصلحتوں کو بعض مخصوص باتوں (نماز، روزہ) کی طرح عبادت سمجھتا ہے تو یہ بدعت ہے۔
اختلافی مسائل میں ہر ایک فریق کے پاس دلائل موجود ہوتے ہیں، فرق صرف قوت یا ضعف کا ہوتا ہے۔ دوسرے فریق کے ساتھ بغض و کینہ، نفرت و تحقیر کرنا اور فاسق و گمراہ کہنا مناسب نہیں، دونوں فریقوں کو آپس میں پیار محبت، سلام دعا اور روابط رکھنے چاہیے۔

فاتحہ مروجہ:

میت کی روح کو ایصال ثواب پہنچانے میں کسی بھی مکتبہ فکر کو اختلاف نہیں۔ اس جگہ بھی اگر کوئی فاتحہ کو مخصوص کرے اور اس کو فرض یا واجب سمجھے تو یہ ممانعت کا باعث ہو گا۔ اگر کسی مصلحت کی وجہ سے ان کو اپنایا ہے تو اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ مروجہ طریقہ فاتحہ پر غور کرنے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ شروع میں کھانا پکا کر مسکینوں کو کھلایا دیا جاتا تھا اور خیال کیا جاتا تھا کے اس کا ثواب میت کو پہنچ جائے۔ لیکن بعد میں مسکینوں کو بہت کم کھلایا جانے لگا۔ اگر اس کو ختم کر دیں تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں۔

عرس اور سماع:

عرس کا لفظ " نعم كنومة العروس "[1] سے لیا گیا ہے مرنے کے بعد صالح بندے سے کہا جاتا ہے "سو جاؤ دلہن کی نیند" اللہ کے مقبول بندوں کی موت محبوب حقیقی سے ملاقات ہوتی ہے۔ عرس کی رسم جاری کرنے کا مقصد مرنے والوں کی روحوں کو ایصال ثواب کرنا ہوتا ہے۔ عرس کی اصلیت میں کوئی حرج نہیں بلکہ احادیث سے اس کا جواز بھی نکلتا ہے "لا تتخذوا قبری عيدا"[2] یعنی میری قبر کو میلہ مت بنانا اس حدیث کے صحیح معنی یہ ہیں: کہ میلہ سے مراد خوشیاں، زیب و زینت، دھوم دھام کا اہتمام ہے۔ قبور کی زیارت کا مقصد عبرت اور آخرت کو یاد کرنا ہے، نہ کہ اس سے غافل ہونا اور نہ ہی اس کے یہ معنی ہیں کہ قبر پر جمع ہونا ہی معنی ہے۔ ایصال ثواب کے لیے قرآن خوانی اور کھانا تقسیم کرنا دونوں ہی جائز ہیں۔ حاجی صاحب یہ بھی ہر سال اپنے پیر و مرشد کے لیے ایصال ثواب کرتے ہیں اگر وقت ہو تو مولود شریف بھی پڑھا جاتا ہے۔

غیر اللہ کو پکارنا:

پکارنے میں مختلف مقاصد ہوتے ہیں کبھی اظہار شوق، حسرت، کسی کو سنانا یا پھر پیغام دینے کے لیے۔ غائب مخلوق کو محض یاد کرنے یا دل کو تسلی دینے یا عاشق کا اپنے محبوب کے نام کو پکارنا کے دل کو تسلی ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ اس قسم کا پکارنا صحابہ کرام سے بہت سی روایات سے ثابت ہے۔ مخاطب کو سنانا مقصود ہو تو اگر وہ باطنی مشاہدہ کر رہا ہو تو یہ بھی جائز ہے۔ اگر مشاہدہ نہیں کر رہا اور خبر پہنچنے کا کوئی ذریعہ دلیل سے ثابت ہو اس صورت میں بھی جائز ہے۔ جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے درود شریف کو ملائکہ حضور صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی بارگاہ میں پہنچاتے ہیں۔ نہ مشاہد ہو، نہ پیغام پہنچانا مقصود ہو، نہ پیغام پہنچانے کی کوئی دلیل ہو تو ایسا پکارنا منع ہے۔
اگر کوئی شخص کسی ولی کو پکارتا ہے نہ سنانا مقصود، نہ ہی کوئی دلیل شرعی ہے، اور علم غیب کا بھی دعویٰ ہے تو یہ شرک سے ملتا جلتا ہے۔ اس کو بے دھڑک کفر اور شرک کہ دینا جرات کی بات ہے۔ پکارنے والا شخص سمجھ دار ہے تو اس کے بارے میں حسن ظن کیا جائے گا۔ عام آدمی ہے تو اس کے عقیدے کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ جو خرابی ہو اس سے منع کر دیا جائے اور اصل عمل کر لینے دیا جائے۔

---

[1] Tirmidi, Al-Sunan, Hadith: 1071

[2] Ahmad bin Hanbal, Al-Musnad, Lahore, Maktabah Rahmāniah, 2012, Hadith: 8586

جماعت ثانیہ:

دوسری جماعت کے بارے میں بہت پہلے سے اختلاف چلا آرہا ہے امام اعظم علیہ الرحمۃ اس کو پسند نہیں کرتے، اور امام یوسف چند شرائط کے ساتھ اجازت دیتے ہیں، دونوں طرف دلیلیں موجود ہیں۔ جماعت ثانیہ کو مکروہ کہا جاتا مکروہ کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ جماعت اولی کم ہو جائے گی۔ جہاں پر جماعت ثانیہ نہ ہوتی ہو وہاں پر تنہا پڑھ لے اور جہاں پر ہوتی ہو وہاں پر شریک ہو جائے۔

امکان نظیر و امکان کذب:

یہ دونوں مسئلے بہت ہی باریک ہیں مگر ان دونوں پر اعتقاد رکھنا چاہیے۔

ایک: "اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر"[1]

یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

خدا اگر ہر چیز پر قادر ہے تو کیا وہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظیر لانے پر (امکان نظیر) یا جھوٹ بولنے پر (امکان کذب) قادر ہے۔

دوسرا: "سُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ"[2]

یعنی اللہ تعالیٰ تمام عیوب و نقائص سے پاک ہے۔

جیسے اپنے قول کی مخالفت کرنا یا ایسی بات کی خبر دینا جو حقیقت میں واقع نہ ہو۔ دونوں طرف دلیلیں موجود ہوں اور ایک دوسرے سے مختلف بھی ہوں تو اس پر زیادہ گفتگو کرنے سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ جیسے کے تقدیر کے مسئلے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سختی سے اس پر گفتگو کرنے کی ممانعت فرمائی۔ ان دونوں مسئلوں میں جب عقلی اور نقلی دلیلوں کے اختلاف کی وجہ سخت دشواری ہے۔ پھر بھی اگر ان مسئلوں میں طبع آزمائی ضروری ہی کرنی ہے تو تنہائی میں کریں اور اگر تحریر کی ضرورت ہو تو خط ہی کافی ہیں۔ نہ کہ رسالے اور کتابیں اور اگر اسی کا شوق ہے تو پھر عربی میں یہ شوق پورا کرلیں تا کہ عوام اس سے محفوظ رہ سکے۔

مسلک دیوبند میں سے اتحاد کی کوششیں کرنے والوں میں سے ایک مفتی محمد شفیع صاحب ہیں۔ امت مسلمہ کے درمیان دوریاں ختم کرنے اور قربتیں پیدا کرنے کے لیے آپ کی تصنیف "وحدت امت" کے نام سے ہے۔

مصنف کا تعارف:

دارالعلوم دیوبند کے ممتاز عالم دین مفتی محمد شفیع 1896ء کو ہندوستان میں پیدا ہوئے۔ رشید احمد گنگوہی نے آپ کا نام محمد شفیع تجویز فرمایا۔ دیوبند کے زمانے میں مسند دارالافتاء پر کئی سال تک فائز رہے۔ پاکستان بننے کے بعد کراچی تشریف لے آئے تو:

"دستور ساز اسمبلی کے بورڈ آف تعلیمات اسلام کے رکن کی حیثیت سے دستور اسلامی کی ترتیب میں بھرپور حصہ لیا"[3]

1951ء میں دارالعلوم کے نام سے ایک دینی مدرسے کی بنیاد رکھی۔ پاکستان میں دیوبند مسلک کے عظیم داعی اور ترجمان ہونے کی حیثیت سے بہت سی کتابیں لکھیں۔ دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے 1976ء کی ایک شب کو یہ چراغ بجھ گیا۔

رسالہ کا تعارف:

نام رسالہ: وحدتِ اُمت

مصنف: مولانا مفتی محمد شفیع

[1] Al-Baqarah, 2:20

[2] Al-Sāff'āt, 37:159

[3] Muhammad Tayyab, Tārīkh Dār ul Uloom Deoband, Karachi, Maktabah Dār ul Uloom, p.59

اشاعتِ دوم: رمضان المبارک 2006ء

ناشر: طارِق اکیڈمی، فیصل آباد

صفحات: 80

رسالہ کا تجزیہ:

یہ رسالہ مفتی محمد شفیع صاحب کی دو تقاریر کی تحریری شکل ہے جس میں سے ایک وحدتِ امت کے موضوع پر ہے، جبکہ دوسری تقریر "اختلافاتِ امت اوران کا حل" کے عنوان پر مشتمل ہے۔ دونوں تقریروں میں ایک ہی نقطہ نظر بیان کیا گیا ہے۔ کتابچہ نہایت مختصر مگر جامع، تمام انسانیت کو ایک وحدت اور خصوصاً ملتِ اِسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے کے لئے ایک راستہ فراہم کرتا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ اختلافِ رائے ایک فطری وطبعی امر ہے جس سے نہ کبھی انسانوں کا کوئی گروہ خالی رہا نہ رہ سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ اختلافِ رائے عقل و دیانت سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو اپنی ذات کے اعتبار سے مضمون نہیں کہا جا سکتا۔

اس رسالہ میں افتراق امت کے اسباب بیان کئے اور حل بھی واضح کیے۔ پیغمبرانہ دعوت کے عناصر کی طرف توجہ دلائی، انبیاء علیہم السلام کے اسوہ حسنہ کو اپنانے کی نصیحت کی، دوسروں سے پہلے اپنی اصلاح کی تلقین فرمائی۔ پاکستان میں موجود مسالک کے درمیان اختلافات جہاں دین اسلام کے لیے سوالیہ نشان ہیں۔ وہیں پر پوری دنیا کے مسلمانوں کی ساخت کو اس مسلکی رویہ کی وجہ سے بہت نقصان ہو رہا ہے۔

بریلوی مکتبہ فکر تقارب کی کاوشیں:

مسلک بریلوی میں سے جن علماء نے تقارب عقائد کے لیے کوششیں کیں ان میں سے مولانا عبدالستار خان نیازی کی شخصیت بہت نمایاں ہے۔ آپ نے مسلکی اختلافات کو کم کرنے اور امت مسلمہ کو متحد کرنے کی غرض سے "اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت" کے عنوان سے کتاب تحریر کی:

مصنف کا تعارف:

مولانا محمد عبدالستار خان نیازی بن ذوالفقار علی خان نیازی کی پیدائش ۱۹۱۵ء میں پٹیالہ، تحصیل عیسیٰ خیل، ضلع میانوالی میں ہوئی۔ اسلامیہ کالج لاہور کے اسلامک ڈیپارٹمنٹ کے صدر رہے۔ ۱۹۴۶ء سے لے کر ۱۹۵۱ء تک پنجاب اسمبلی کے رکن رہے۔ ۱۹۵۳ء میں تحریکِ ختمِ نبوت کے سلسلے میں انہیں پھانسی کی سزا سنائی گئی۔

> "تحریکِ نظامِ مصطفی کے جنرل سیکرٹری رہے، اور مرکزی جمعیت علمائے پاکستان کے 1973 سے 1979 تک جنرل سیکرٹری بھی رہے۔ 1987ء میں انہیں گولڈ میڈل سے نوازا گیا"[1]

1988ء سے 1990ء تک ممبر قومی اسمبلی رہے۔ مذہبی امور کے وفاقی وزیر اور سینیٹر بھی رہے۔ 1989ء میں جمعیت علمائے پاکستان کے چیئرمین منتخب ہوئے۔ 2 مئی 2001ء کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔

کتاب کا تعارف:

نام کتاب: اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت

مصنف: مولانا محمد عبدالستار خان نیازی

اشاعت دوم: مئی 1985ء

---

1 S, Muhammad Munir Ahamd, *Waffiyāt Nāmwarān e Pakistan*, p.495

ناشر: مکتبہ رضویہ، لاہور

صفحات: 160

کتاب کا تجزیہ:

"اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت" اپنے عنوان کے حوالے سے اہم کتاب ہے۔ ایک طرف اس موضوع پر جہاں کتابوں کی کمی ہے، تو دوسری طرف واضح لائحہ عمل اور حل کا بھی فقدان ہے۔ زیادہ تر کتب محض مسئلہ کی اہمیت پر ہیں۔ دوٹوک حل بہت کم پیش کیا گیا ہے۔ مذکورہ کتاب اس حوالے سے ایک اچھی کوشش ہے۔ مگر مصنف نے اپنی مسلکی جانب داری کو ترجیح دیتے ہوئے اپنے مسلک کی تعبیر و تجاویز کو حق گردانا ہے، کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلے حصے میں "اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت" میں امت کے لئے اتحاد کے لیے چار نکاتی فارمولا پیش کیا گیا ہے۔ دوسرے حصے میں فرقہ واریت کی وجوہات اور حل کے لیے تجاویز پیش کی گئی ہیں:

اتحاد ملت کے نکات:

پہلا نکتہ:

پاکستان کی تمام جماعتیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شیخ محقق عبد الحق محدث دہلوی اور شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے افکار و نظریات پر اصولاً متفق ہیں۔ لہذا ہم اپنے تمام تمام متنازعہ فیہ امور ان کے عقائد و نظریات کی روشنی میں حل کریں۔

دوسرا نکتہ:

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی چشتی صابری کی عظمت اور مرتبے کو سب لوگ تسلیم کرتے ہیں۔ تمام اکابر علماء دیوبند بالواسطہ یا بلاواسطہ حاجی صاحب کے ارادت میں شامل ہیں۔ برصغیر یا عالم اسلام میں جس قدر اختلافی مسائل پائے جاتے ہیں ان سب کا جامع و مانع حل انھوں نے پیش کر دیا ہے۔ اگر تمام مکاتب فکر کے علماء اور متبعین حاجی صاحب کی تصنیف "فیصلہ ہفت مسئلہ" کو حکما مان لیں تو فرقہ وارانہ اختلافات بہت حد تک ختم ہو سکتے ہیں۔

تیسرا نکتہ:

علمائے دیوبند "المہند" میں درج شدہ فیصلوں کو اختلافی مسائل میں نافذ العمل کر لیں تو تمام متنازعہ فیہ عقائد و نظریات کا نہایت ہی معقول و مدلل جواب مل سکتا ہے۔ اپنے اس عقائد نامے کو حکما ماننے کے بعد دوسرا اقدام یہ کریں کہ پبلک پلیٹ فارم سے اپنے مخالفین کے خلاف طعن تشنیع سے مکمل اجتناب کریں۔

چوتھا نکتہ:

انگریزی محاورہ ہے (Live and let others live) "زندہ رہو اور زندہ رہنے دو"۔ اگر کوئی مسلمان حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ و سلام پڑھتا ہے تو اسے پڑھنے دیں اور جو خاموشی سے بیٹھ کر درود شریف پڑھے اس تو اسے مجبور نہ کیا جائے کہ وہ کھڑے ہو کر بلند آواز سے ضرور پڑھے۔

تمام مسلمان نماز میں "السلام علیک ایها النبی" پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر سلام بھیجتے ہیں۔ تو نماز کے بعد میں اس پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔ خانقاہوں اور اوقاف کے جھگڑے اسی جذبے سے ختم ہو سکتے ہیں، کہ مسجدوں میں کسی کو نماز پڑھنے سے منع نہ کیا جائے۔ جن لوگوں نے مسجد تعمیر کی ہو ان ہی کے مسلک کی انتظامیہ ہو۔ اگر اس طرح سب فرقے مل کر مرکزی نکتہ عظمت و وقار کو سامنے رکھیں تو پھر اختلاف باقی نہیں رہتا۔

دوسرے حصہ میں تتمہ الموافقات اور مآخذ و مراجع کو واضح انداز میں بیان کیا گیا ہے۔

بریلوی مسلک کے علمائے کرام میں سے اتحاد کی کوششیں کرنے والوں میں سے ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا نام بھی بہت نمایاں ہے۔امت مسلمہ کے درمیان عقائد و نظریات میں پائے جانے والے اختلاف کو کم کرنے کے لیے آپ کی تصنیف "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟" یہ ایک عمدہ کاوش ہے۔

مصنف کا تعارف:

دور حاضر کے عظیم اِسلامی مفکر، پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری پاکستان کے شہر جھنگ میں ۱۹۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ نے جدید علوم کے ساتھ ساتھ قدیم اِسلامی علوم بھی حاصل کیے۔

"پنجاب یونیورسٹی سے ایم۔اے اور قانون کے اِمتحانات اَعلیٰ اِعزازات کے ساتھ پاس کیے اور ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی۔"[1]

اِسلامی علوم وفنون اور منقولات ومعقولات کا درس اور اَسانید واِجازات اپنے والد گرامی سمیت ایسے جید شیوخ اور کبار علماء سے حاصل کی ہیں جنہیں گزشتہ صدی میں اِسلامی علوم کی حجت تسلیم کیا جاتا ہے۔

کتاب کا تعارف:

نام کتاب:	فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟
مصنف:	پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری
اشاعتِ ششم:	فروری ۲۰۰۱ء
ناشر:	منہاج القرآن پرنٹرز
صفحات:	103

کتاب کا تجزیہ:

کتاب ہذا فرقہ پرستی کے خاتمہ کے حل کے لئے بہت عمدہ، رہنما کتاب ہے۔ابتدا میں تفرقہ بازی کے نقصانات کو بیان کیا گیا ہے۔جس میں اسلامی معاشرے کے قیام کے انفرادی اور اجتماعی ذمہ داری کے بارے میں بتایا گیا ہے، اور تفرقہ پروری کی موت کو کفر کی موت کہا ہے۔اس کے بعد فرقہ پرستی کا ممکنہ لائحہ عمل بتایا گیا ہے، جس میں مشترک پہلوؤں کو اپنانے کا کہا گیا ہے۔ عملی، اقتصادی اور اخلاقی زندگی کی اصلاح کے بارے میں توجہ دلائی۔ کلمہ گو کو بلاجواز شرعی کافر کہنے سے منع کیا گیا دینی تعلیم کے لیے مشترک اداروں کو قائم کرنے کی تجویز دی۔ فرقہ پرستی پر مبنی تقریروں پر پابندی لگائی جائے۔ تمام مکاتب فکر کے نمائندہ علماء پر مشتمل سپریم کونسل ہو۔ مذہبی سطح پر منفی اور تخریبی سرگرمیوں کے خلاف عبرتناک تعزیرات کا نفاذ ہو۔

فاضل مُصنف نے قرآن وحدیث اور تاریخ اسلام کے واقعات سے استنباط کیا ہے۔فرقہ پرستی کے خلاف نظریاتی اور فکری بنیادیں فراہم کی ہیں۔کتاب کا انداز بیان سادہ قابل فہم اور منطقی ہے، کتاب میں ربط ہے، عنوانات فرقہ پرستی کے خاتمہ کا ممکنہ لائحہ عمل پیش کرنے اوران کی وضاحت کرنے سے متعلق ہیں، فرقہ پرستی کے اسباب بتائے گئے ہیں اوراس کے خاتمہ کے لیے سفارشات بھی مرتب کی گئی ہیں۔

تقاربِ عقائد کے لئے بین المسالک میں برداشت اور ہم آہنگی ایک دوسرے کا احترام بہت ضروری ہے، دیوبندی، بریلوی دونوں امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد ہیں اور عقائد میں دونوں امام ابوالحسن اشعری اورامام ابو منصور ماتریدی کو مقتدہ مانتے ہیں، لیکن اس

[1] Minhājian, Abdul Sattār, *Sheikh al Islam Dr. Tahir ul Qādrī, Tanqīd, Kārnāmay*, Tā,sarāt, Minhāj al-Faisalabad, Qur'ān Books, 2021, p.23

کے باوجود دونوں کے درمیان اختلاف موجود ہے۔ آج وقت کی اہم ضرورت ہے کہ مسلکی اختلافات کو ختم کیا جائے اور قرآن و سنت کی روشنی میں مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کی جائے۔

خلاصۃ البحث:

اللہ تعالی نے اس کائنات میں بسنے والے انسانوں کی رشد و ہدایت کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ رسالت و نبوت کا یہ سلسلہ رسول اللہ ﷺ کی آمد کے بعد منقطع ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوڑی ہوئی علمی وراثت کو سمجھنے کے لئے کئی قسم کے علمی اختلاف اور عقائد و نظریات نے جنم لیا۔

فقہائے اربعہ؛ امام مالک، امام ابو حنیفہ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور دیگر ائمہ مجتہدین نے قرآن و سنت کی روشنی میں اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے مطلوب و منشا کو پانے کے لئے بھرپور کوشش کی۔ باہمی اختلاف کے باوجود آپس میں پیار و محبت سے رہتے۔

بد قسمتی سے وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلام دشمن عناصر نے حاملین اسلام کے عقائد و نظریات کو انتشار و افتراق اور فرقہ واریت کے زہر سے بھرنا شروع کر دیا۔ اب یہ عالم ہے کہ ہر دوسرا شخص اپنے عقائد و نظریات کے متعلق متفکر ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ سلف صالحین کی روایت پر عمل کرتے ہوئے۔ آپس میں اتحاد و اتفاق کی فضاء کو قائم کیا جائے۔ اور دوسروں کے عقائد و نظریات کے بارے میں وسعت پیدا کی جائے، کیونکہ اتحاد و اتفاق وقت کی اہم ضرورت ہے؟ پاکستان کے دینی ادب اور اتحاد پر لکھی گئی مندرجہ بالا تحریروں کے تحقیقی مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ دور میں اتحاد و اتفاق مسلمانوں کے لئے وقت کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت ہے۔ فرقہ واریت کے خاتمہ کے لئے پاکستان میں لکھی گئی کتب میں سے مولانا محمد اسحاق احمد کی "وحدت امت" اور مفتی محمد شفیع کی تقریر "وحدت امت" اور مولانا عبد الستار خان نیازی کی "اتحاد بین المسلمین وقت کی اہم ضرورت" اور حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کی کتاب "فیصلہ ہفت مسئلہ" اور ڈاکٹر طاہر القادری کی کتاب "فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟" فرقہ واریت کے سدباب کے موضوع پر اہم ترین کتابیں ہیں۔ جن کی وجہ سے مسلمان اپنے فروعی اختلافات کو ختم کرنے اور امت مسلمہ میں اتحاد پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ ملتِ اِسلامیہ میں باہمی یگانگت و اخوت، اتحاد و اتفاق کا سبب بن سکتی ہیں۔

سفارشات

ملکی اور مسلکی اعتبار سے جس قدر آج اتحاد کی ضرورت ، شائد اس سے پہلے اس کی اتنی اشد ضرورت نہیں تھی۔ آج جس جگہ پر بھی ظلم و ستم ہو رہا ہو وہاں مظلوم مسلمان ہو گا۔ مسلمانوں میں بھی کہیں عقائد کے جھگڑے، تو کہیں لسانی فسادات، تو کہیں علاقائی تنازات اور کہیں مسلکی اختلافات جو عقائد کے تقارب کی راہ میں حائل ہیں۔ اگر کبھی اتحاد ہو بھی جائے تو وہ (اتحاد) وقتی طور پر ہوتا ہے۔ دیرپا اتحاد کے لیے کچھ ایسے اصولوں کو اپنانا اور ان پر عمل کرنا ہو گا، تاکہ اتحاد کے مطلوبہ اوصاف حاصل ہو سکیں۔ ایسے اوصاف جس پر عمل کے بغیر امت مسلمہ کامیاب و کامران نہیں ہو سکتی وہ اوصاف درج ذیل ہیں۔

1. ہر قسم کی عصبیت مثلاً شخصی، گروہی اور مسلکی سے اجتناب کرنا چاہیے۔
2. دوسروں کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے وہ اپنے ہوں یا غیر۔
3. ایک دوسرے پر طعن و تشنیع اور الزام سے مکمل طور پر بچا جائے۔
4. جن امور میں اختلاف ہو ان میں نرمی و فیاضی کا معاملہ اختیار کیا جائے اور سختی سے اجتناب کریں۔
5. اگر کبھی بحث و مباحثہ کی ضرورت پیش آئے تو اس میں بھی احسن طریقہ اختیار کیا جائے۔
6. فکر و اعتقاد میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔

اسی طرح امت مسلمہ میں اتحاد و قربت کے بہت سے مشترک امور اور ذرائع موجود ہیں۔ اگر ان مشترک امور کو اپنایا جائے، اور اس پر عمل کیا جائے تو اتحاد و قربت راہ پر گامزن ہونا بہت آسان ہو گا جس کے لیے درج ذیل باتوں پر عمل کرنا ہو گا:

1. کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں کی تکفیر سے اجتناب کرنا۔
2. علمی اختلاف کے اسباب کا گہرا مطالعہ و فہم پر عبور حاصل کیا جائے۔
3. اہم مسائل کی طرف خصوصیت سے توجہ دی جائے فروعی مسائل سے گریز کیا جائے۔
4. امور اختلافی میں اعتدال سے کام لیا جائے اور تشدد سے اجتناب کیا جائے۔
5. مشتبہات سے بچا جائے اور محکمات پر توجہ دی جائے۔
6. امت مسلمہ کے مفاد کو تمام طرح کے گروہی مفادات پر ترجیح دی جائے۔
7. ایسے مسائل جو متفق علیہ ہیں ان میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کیا جائے۔
8. حقیقی اور مجازی مسائل و معاملات میں اعتدال کو اختیار کریں۔